مذہبی رواداری اور پاکستانی اہل علم کی کاوشیں۔ایک تصنیفی جائزہ

RELIGIOUS TOLERANCE IN PAKISTAN AND THE EFFORTS OF THE LEARNED

غضنفر عمران*

ڈاکٹر محمد فخر الدین**

DOI: 10.29370/siarj/issue2ar1

URL: https://doi.org/10.29370/siarj/issue2ar1

ABSTRACT:

Tolerance refers to dealing with all human beings fairly irrespective of differences in class, creed, religion, race, color, country and belief. We should accept the concepts and ideas of others and respect their feelings without taking into account whether they are right or wrong. Difference of opinion should inculcate exchange of ideas and positive thought process rather than hate. We should therefore not hate other religions and their followers, although we do not agree with their philosophies and views, yet we should accept and fulfill their rights as human beings which God has bestowed with high status. In short, religious tolerance means to treat the followers of other religions without hurting their feelings and without any mistreatment just because of their views. This tolerance is not limited to non-Muslims. Muslims should also keep away from sectarian differences and if they exist, they should not be a means for division in the Ummah. We can all co-exist even with differences of opinion as our predecessors did. Theologians of different sects have written several books for religious tolerance and the moderate way to deal with the differences of belief. This paper provides a comprehensive literature review on this subject taking 'religious tolerance' as a particularistic case study.

KEYWORDS: Religious, Tolerance, Belief, Race, Color

کلیدی الفاظ: مذھبی، رواداری، عقیدہ، رنگ، نسل

* اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج، ڈیرہ اسماعیل خان — برقی پتا: Fakhar_07@yahoo.com

** لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، بنوں — برقی پتا: ghazanfar4958@yahoo.com

رواداری سے مراد یہ ہے کہ انسان فکری واعتقادی، رنگ ونسل اور وطن وزبان کی بنیاد پر کسی عصبیت کا شکار ہوئے بغیر تحمل و بردباری سے ایک دوسرے کو برداشت کرے۔ کوئی انسان، گروہ یا حکومت، دوسروں کے ان افکار و خیالات کو خواہ وہ غلط کیوں نہ ہوں صرف دوسروں کے جذبات واحساسات کا لحاظ کرتے ہوئے برداشت کرے۔ دیگر مذاہب اور نظریات کے ماننے والوں کو ناپسند کرنے کے باوجود ان سے نفرت نہ کرے اور ان کے حقوق تسلیم کرے۔ بالفاظ دیگر رواداری کا مفہوم یہ ہے کہ فکری واعتقادی، رنگ ونسل، زبان ووطن کی بنیاد پر کسی عصبیت کا شکار ہوئے بغیر تحمل اور بردباری سے دوسرے کو برداشت کیا جائے۔

اسلام مذہبی روایات پر مبنی عبادات ورسوم کا مجموعہ نہیں اور نہ ہی یہ موروثی طور پر حاصل ہونے والی پہچان کا نام ہے بلکہ یہ کائنات کے خالق اور پروردگار کی طرف سے انسان کو دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے دی گئی ہدایات ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے ایک مخصوص طرزِ زندگی تشکیل پاتی ہے جس سے انسانی معاشرے میں انسانی مساوات، معاشی ترقی، امن، محبت اور بلا تفریق نسل، رنگ، قوم ومذہب کے ایک دوسرے کی بھلائی کے لئے سرگرم عمل ہونے کی راہیں کھلتی ہیں اور دنیا استحصالی عمل سے باز آکر امن اور جمہوریت کی طرف بڑھتی ہے۔ اس سے ہر قسم کے منفی تعصبات کے خاتمے کا عمل شروع ہوتا ہے اور انسانی تعلقات میں رواداری اور برداشت کا مادہ پرورش پانے لگتا ہے۔ یہ ایک مثبت انسانی رویہ ہے اور اگر یہ بطور معاشرتی طرز عمل استعمال ہو تو معاشرے میں پرامن بقائے باہمی کا عملی سماں پیدا ہو سکتا ہے۔

رواداری کے مفہوم کو Encyclopedia of Britannica میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"Intellectual and practical acknowledgement of the right of others to live in accordance with religious beliefs that are not accepted as own."[1]

اگر یہ رویہ مذہب اور مسلک کی طرف اختیار کیا جائے تو اس سے مذہبی رواداری کا تصور ابھرتا ہے۔ کسی فرد یا قوم نے اپنے فطری جذبۂ بندگی کی تسکین کے لئے اپنی سوجھ بوجھ اور فہم وبصیرت کے مطابق جو عقیدہ، جو نظریہ، جو نقطۂ نظر، عبادت وبندگی کے اظہار کا جو طریقہ اور جو دین اختیار کر رکھا ہے اس کو آزادی رائے کے انسانی حق کے طور پر قبول کیا جائے اور اپنے عقیدہ دین پر قائم رہتے ہوئے اس عقیدہ نظریہ، نظریہ اور دین کے حامل لوگوں کو کھلے دل سے برداشت کیا جائے۔ بنی نوع انسانی کے عقل ودماغ، ذہانت وفطانت اور فہم وفراست میں فطری وطبعی تفاوت کے

باعث لوگوں کے درمیان عقائد، افکار و نظریات، نقطۂ نظر کا اختلاف ہونا جہاں ایک قدرتی امر ہے، وہاں انسانی معاشرے اور اہل علم و فکر کی بیدار مغزی کی علامت بھی ہے۔ علاوہ ازیں حقیقت بھی یہی ہے کہ لوگوں کے درمیان مذہب و مسلک اور دین کا اختلاف موجود رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولو شآء ربک لجعل الناس امۃ واحدہ ولا یزالون مختلفین "[2]

"اور اگر تیرا رب چاہتا تو لوگوں کو ایک رستہ پر کر ڈالتا اور وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے"
فکر اور عمل کا اختلاف انسانی فطرت کا خاصہ ہے اور اس میں حکمت الٰہیہ شامل ہے تاہم ان اختلافات کی بناپر معاشرے میں فتنہ و فساد برپا کرنے کی احادیث میں بھی ممانعت کی گئی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

لاتختلفوا فان من کان قبلکم اختلفوا فھلکوا[3]

"اختلاف نہ کرو، اس لئے کہ تم سے پہلی امتوں نے اختلاف کیا تو ہلاک ہو گئیں۔"

یہ ضروری ہے کہ مذہبی رواداری سے کام لے کر اور ہر ایک کے لئے بنیادی انسانی حقوق کو عملاً تسلیم کر کے، زندگی کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر اپنی آزاد مرضی سے اختیار کرنے کا حق تسلیم کیا جائے اور دوسری طرف پیغمبروں کے بتائے ہوئے مساوات، عدل اور بھائی چارہ کے اصولوں کے مطابق انسانی بنیاد پر ایک دوسرے کو 'امتِ واحدہ' کے افراد قرار دیتے ہوئے ایک دوسرے کی بہتری کے لئے کام کرنے کے لئے شعوری طور پر مثبت انداز میں کوشش کی جائے۔ قرآن کی رو سے کافر صرف اسے کہا جا سکتا ہے۔ جو کائنات کے خالق اور پروردگار اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے بارے میں خالق کی نصیحت اور ہدایات کا انکار کرتا ہے۔ تاہم اس کے بھی معاشرتی، مذہبی اور ذاتی حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری لی گئی ہے۔ رواداری انسانی تمدن کا ایک اہم جزو ہے اور اعلیٰ درجہ کی شائستہ ثقافت بھی۔ یہ ایک ایسا شاندار چارٹر ہے جسے انسانیت کے لئے مذہب نے عطا کیا ہے۔ تاریخ عالم میں اسلام کے دور زریں میں کوئی بھی مذہبی عدالت غیر مذاہب مخالفین کے لئے قائم نہیں کی گئی اور اسلام نے لوگوں کو جبر، زور اور تلوار سے کبھی بھی اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا، کیونکہ اسلام کا اصول ہے کہ:

لا اکراہ فی الدین[4]

"دین میں کوئی جبر نہیں"

فاتح ہونے کے باوجود اسلام نے فاتح اور مفتوح کو برابر حقوق دیئے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے بستر مرگ پر بھی ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت کے بارے میں وصیت فرمائی کہ:

واوصیٰ بذمۃ رسول اللہ ان یوفی لھم بعھدھم[5]

"ذمیوں کا پورا پورا خیال کیا جائے۔ اللہ کی ذمہ داری اور رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری کو ملحوظ رکھنا یعنی ان سے جو اقرار کیا جائے وہ پورا کیا جائے"

اگر ہم اس رواداری والی خصوصیت کو اپنالیں تو آج بھی اسلام کی اور مسلمانوں کی وہ قدر و قیمت ہوگی جو آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے تھی۔

متقدمین فقہاء، امام ابن تیمیہ نے رفع الملام عن الائمۃ الاعلام میں، محمد السید البطلیوسی نے اپنی کتاب التنبیہ علی الاسباب التی اوجبت الاختلاف بین المسلمین فی آراءھم ومذاھبھم واعتقاداتھم میں اور شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب الانصاف فی بیان الاختلاف فی الاحکام الفقھیۃ میں مسلکی اختلافات کی وجوہات اور ان کی حکمتوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ اگرچہ معاشرے میں مختلف اسباب کی بناپر مروجہ مذہبی و مسلکی منافرت پر مبنی لٹریچر کی بدولت معاشرے میں رواداری کے عنصر کا فقدان ہے تاہم رواداری کے فروغ اور مسلکی ہم آہنگی کی خاطر پاکستان کے مختلف اہل علم نے مختلف تصنیفی کاوشیں سرانجام دی ہیں جن میں قابل ذکر تصانیف کا اجمالی جائزہ ذیل میں پیش کیا گیا ہے۔

مسلک اعتدال، مولانا حکیم انیس احمد صدیقی: (۱۹۸۰ء):

ہمارے تعلیمی اداروں میں دوسرے مسالک کے خلاف اس قدر پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کی بات تک سننا گوارا نہیں کیا جاتا۔ اسی اختلاف کو کم یا ختم کرنا ہی اس کتاب کی تالیف کا مقصد تھا۔ مقدمے کے بعد اور باب اول سے پہلے ''امت کے اختلاف'' کے عنوان سے سات قسم کے اختلافات کا ذکر کیا گیا ہے اور تفصیل میں جانے سے پہلے اتحاد و اتفاق کی قرآن و سنت کی روشنی میں اہمیت و افادیت اجاگر کی گئی ہے۔ پھر اس کے بعد حدیث افتراق (۷۳ فرقوں والی حدیث) ذکر کرکے اس پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

مذکورہ کتاب میں اہل علم کے ان اختلافات کی حقیقت بیان کی گئی ہے جن کی بناپر غیر ذی شعور عوام الناس اختلافات کی خلیج کو بڑھاتے رہتے ہیں۔ ان میں صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف، تابعین اور تبع تابعین کے درمیان اختلاف، ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف، محدثین کے درمیان اختلاف، علماء اور فضلاء کے درمیان اختلاف، امت کے عوام کے درمیان اختلاف، علماء امت اور عوام کے درمیان اختلاف قابل ذکر ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے فضائل قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کرکے ان کے درمیان اختلاف کو موضوع قلم بنایا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف اس طرح ہے، جس طرح باغ میں رنگ برنگ پھول ہوتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین اور تبع تابعین میں اختلاف ہونا ایک بدیہی امر تھا کیونکہ ان نفوس نے صحابہ کرامؓ کے اسوہ کو ہی اپنایا تھا اور جب صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہوگا تو لازمی امر ہے کہ ان کی تقلید کرنے والوں میں بھی اختلاف ہوگا۔ ائمہ مجتہدین نے صحابہؓ اور تابعینؒ و تبع تابعینؒ کی

سیرت سے فقہ کی تشکیل نو کی، جس کی وجہ سے مختلف مکاتب فکر وجود میں آئے۔ (چاروں مکاتب فکر کا تعارف مفصل درج ہے)۔ائمہ حدیث بھی مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ عوام الناس کو اختلاف کرنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ وہ ایک ہی ماں باپ (آدم و حواؑ) کی اولاد ہیں۔ اگر اختلاف کریں گے تو اپنا ہی نقصان ہوگا۔ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ جب وہ کبھی بھی دو مسلمانوں کے مابین اختلاف کو دیکھے تو اسے ختم کرنے کی کوشش کرے۔ علمی اختلافات کو خود حل کرنے کی بجائے کسی عالم دین کے پاس جا کر ختم کرانے کی کوشش کی جائے۔اتفاق اور رواداری کی اہمیت بیان کرتے ہوئے مؤلف رقم طراز ہیں کہ :

" یہی وقت اتفاق کا ہے۔ خبردار ہو جاؤ۔زمانہ تم کو مہلت دے کر تم سے ہمدردی کر رہا ہے، اس مہلت کو غنیمت سمجھو، اپنی کوششوں میں کمی نہ کرو۔ رونے سے مردہ زندہ نہیں ہوتا، کفِ افسوس ملنے سے متاعِ گم گشتہ نہیں ملتی۔ غم کھانے سے مصیبت دور نہیں ہوتی۔ عمل ہی گنج نجات کی کنجی ہے۔"[6] اس کتاب کو آٹھ ابواب میں منقسم کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک رسالہ رحماء بینھم کے عنوان سے بھی شامل کیا گیا ہے، جس میں مختلف شخصیات کا تعارف اور ان کے فرقوں کا ذکر مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ صدیقی ٹرسٹ، نسیم پلازہ، کراچی کی طرف سے اس کتاب کو شائع کیا گیا ہے جس کے صفحات کی تعداد ۱۴۴ ہے۔

وحدت امت، مولانا مفتی محمد شفیع: (۱۹۸۵ء)ن ـــــہ

امت مسلمہ اندرونی اختلافات و عدم رواداری کی وجہ سے امت واحدہ سے امت متفرقہ میں تبدیل ہو گئی ہے۔ اختلاف رائے جب مخالفت کی صورت اختیار کر لیتا ہے تو وحدت امت کو شدید صدمہ پہنچتا ہے اور یہ افتراق دنیا میں پوری امت کے ذلیل و خوار ہونے کا باعث بنتا ہے۔ قرآن کریم امت مسلمہ کو امت واحدہ قرار دے کر اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اللہ کو اتحاد پسند ہے اور اس بات کا نمونہ حضور ﷺ نے خصوصاً حجۃ الوداع اور عموماً پوری زندگی میں دکھایا ہے۔ رہ گئی اختلاف رائے کی بات، وہ نہ تو وحدت اسلامی کے منافی ہے اور نہ ہی مٹایا جا سکتا ہے۔ جہاں عقل و دیانت ہو وہاں اختلاف رائے پیدا ہونا ایک فطری امر ہے اور یہی کیفیت صحابہ کرامؓ و سلف صالحینؒ میں بھی رہی۔ دین کی خدمت یہ نہیں کہ مختلف الرائے افراد کو اسلام کی دعوت دیں بلکہ ان لوگوں کو دین اسلام کی تبلیغ کرنی ضروری ہے جو جھوٹ، فریب، سود، رشوت اور چور بازاری وغیرہ جیسے جرائم میں ملوث ہیں۔ فروعی مسائل میں بحث و تمحیص مذموم نہیں اور اسی غیر مذموم بحث پر جنگ و جدل اور تفرق و تشتت بنانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ جب ایک آدمی اسلام کے بنیادی عقائد پر ایمان رکھتے ہوئے فرائض کی ادائیگی میں حصہ لے رہا ہے تو اسے تبلیغ کرنے کی بجائے ایسے آدمی کو تبلیغ کی جائے جو فرائض کی بجا آوری میں ڈنڈی مارتا ہے یا اسلامی عقائد سے منہ موڑتا ہے۔ فاضل مؤلف لکھتے ہیں کہ :

"اہل نظر و فکر سے یہ بات مخفی نہیں کہ اس وقت دنیا کے ہر خطہ اور ہر ملک میں مسلمان جن مصائب اور آفات میں مبتلا ہیں، ان کا سب سے بڑا سبب آپس کا تفرقہ اور خانہ جنگی ہے۔ ورنہ عددی اکثریت اور مادی اسباب کے اعتبار سے پوری تاریخ اسلام میں کسی وقت بھی مسلمانوں کو اتنی عظیم طاقت حاصل نہیں تھی جتنی آج ہے۔ اور اس تفرقہ کے اسباب پر جب غور کیا جاتا ہے تو اس کا سبب خدا اور آخرت سے غفلت اور دوسری قوموں کی طرح صرف دنیا کی چند روزہ مال و دولت اور عزت و جاہ کی ہوس بے لگام ہے۔ جو ہمارے معاشرہ میں کبھی سیاسی اقتدار کے لئے کش مکش، تجارتی اور صنعتی ریس، عہدوں اور منصوبوں کی خاطر باہمی تصادم کی صورت میں ہمارے معاشرے کو پارہ پارہ کرتی ہے اور کبھی مذہبی اور دینی نظریات کی آراء اور مختلف نظاموں کے روپ میں ہمیں ایک دوسرے کے خلاف اہانت و استہزاء کا ذریعہ نہیں بن جاتی و گرنہ اگر اجتہادی نظریات کے باہمی اختلاف کے باوجود صحابہؓ و تابعینؒ کی طرح ہماری جنگ کا رخ صرف کفر و الحاد اور بے دینی کی طرف ہو جائے اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مختلف جماعتیں ایک صف اور ایک بنیان مرصوص نظر آئیں۔ "[7]

ابواب، عنوانات فہرست و حوالہ جات سے مبرا یہ کتاب مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور کی طرف سے شائع کی گئی ہے جس کے صفحات کی کل تعداد ۵۱ ہے۔

رسول اکرم ﷺ اور رواداری، ڈاکٹر حافظ محمد ثانی (۱۹۹۸) ء

ہجرت مدینہ سے مسلم مملکت کا ایک ایسا باب شروع ہوا جس کی وجہ سے قبائلی عصبیت کا خاتمہ ہونے کے ساتھ ساتھ عالمگیر برادری کا قیام عمل میں آیا۔ مسلمان ایک محکوم اقلیت سے ایک حاکم اکثریت میں تبدیل ہو گئے۔ میثاق مدینہ مذہبی رواداری اور غیر مسلموں سے تعلقات کی اساس فراہم کرنے میں مسلمانوں کے لئے نہایت مدد و معاون ثابت ہوا۔ فتح مکہ، میثاق مدینہ سے بھی بڑھ کر رواداری، عفو و در گزر اور احسان کا منہ بولتا ثبوت ہے جس میں حضور ﷺ نے اپنے اور اسلام کے دشمنان کو کمال فراخ دلی سے معاف کیا۔ اس کے علاوہ معاہدہ نجران اور اس قسم کے دوسرے معاہدے مذہبی رواداری، انسان دوستی اور غیر مسلموں کے مذہبی و انسانی حقوق کے عظیم چارٹر ہیں۔ جس کا اعتراف غیر مسلم مؤرخین اور مغربی دانشوروں نے بھی اپنی تحاریر میں کیا ہے۔ اسلام کے دور میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں ان تمام جنگوں میں مفتوحہ اقوام اور مفتوحہ علاقوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا ہے وہ تاریخ میں سنہرے الفاظ میں لکھا جاتا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس دنیاوی مقاصد کے لئے جو جنگیں لڑی گئی ہیں یا لڑی جاتی ہیں اور ان میں جو نقصان کیا گیا اور کیا جاتا ہے وہ بھی تاریخ میں سیاہ الفاظ سے نقش ہے۔ غیر مسلموں کے دلوں کو پیار، محبت، رواداری، عفو، در گزر اور احسان سے جیتنے کا کوئی بھی موقع اسلام نے اپنے ہاتھوں سے ضائع نہیں کیا۔ پیار و محبت اور احسان و رواداری جیسے عظیم

ہتھیاروں کو استعمال کر کے ان گنت غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا گیا۔ غیر مسلم کو جبراً مسلمان بنانے سے متعلق مصنف موصوف رقم طراز ہیں" : مسلم نظریات کی رو سے تمام قانون مذہب سے جنم لیتے ہیں۔ قانون کی اساس مذہب ہی فراہم کرتا ہے۔ مذہب ہی کے سر چشمے سے قانون کی ندیاں بہتی ہیں۔ مسلمانوں کے اپنے قانون کا ماخذ قرآن اور احادیث ہیں۔ اس لئے عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے یہ ضروری قرار نہیں دیا گیا کہ وہ اسلامی قانون پر عمل پیرا ہوں۔ چونکہ عیسائیوں اور یہودیوں کو جبراً مسلمان بنانے سے احتراز کیا گیا، اسی منطق کے پیش نظر ان پر اسلامی قانون کے اطلاق کی بھی شرط نہیں رکھی گئی۔ [8] "

مذکورہ کتاب میں مصنف موصوف نے غیر مسلم حلقوں کے اعتراضات و شبہات کے ازالہ کے لئے مذہبی رواداری، عفو و درگزر، دشمنوں سے مثالی سلوک اور تعلیمات و عہد نبوی ﷺ میں غیر مسلموں کے حقوق کے حوالے سے سیرت طیبہ کا علمی و تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ تاکہ ایک مسلم اپنے نبی کی تعلیمات سے بہرہ ور ہو اور غیر مسلم کو اس بات کا احساس ہو کہ نبی آخر الزماں کا مقصد نہ صرف مسلمانوں کو راہ ہدایت دکھانا تھا بلکہ غیر مسلموں کو اپنے اخلاق کے ذریعے سے دائرہ اسلام میں داخل کرنا بھی تھا۔

356 صفحات اور پانچ ابواب پر مشتمل اس کتاب میں ہر باب کے ضمن میں حضور ﷺ کی رواداری سے متعلق مختلف واقعات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ باب اول سے قبل نہ صرف حضور ﷺ کے رواداری سے متعلق مختلف اقوال، فرامین اور خطاب بیان کئے گئے ہیں بلکہ آپ ﷺ کی رواداری کا اقرار مغرب کے مشہور مستشرقین اور انسائیکلوپیڈیا کے اعترافات کے حوالے بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ابتدائی باب سے قبل عیسائی مصنفین کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف توہین آمیز لٹریچر کو ذکر کرتے ہوئے پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف مغربی دنیا کے متفقہ محاذ پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

حواشی و حوالہ جات کا اہتمام ہر باب کے اختتام پر کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں کتابیات اور ماخذ و مراجع کے عنوان سے عربی، اردو، اخبارات و رسائل اور انگلش کتب کے حوالے بھی مذکور ہیں۔

فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، (۲۰۰۱) ء:

زیرِ نظر کتاب میں اہلِ اسلام کے اندر فرقہ پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کا تفصیلاً جائزہ لیا گیا ہے اور قرآن و سنت کی روشنی میں اس کے انسداد کے لئے ایک قابل عمل حل امتِ مسلمہ کے سامنے رکھا گیا ہے۔ اگر تمام مسالک اور مکاتبِ فکر کے وہ افراد جو اپنے دل میں باہمی اخوت و محبت، اخوت و یگانگت، یک جہتی اور اتحاد بین المسلمین کو فروغ دینے کا درد رکھتے ہیں، اس کتاب کے مندرجات کا سنجیدگی اور غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کریں تو قرآن و سنت کی

روشنی میں فرقہ پرستی کے خلاف ایک آڑ بن سکتے ہیں۔

جسدِ ملت میں فرقہ پرستی اور تفرقہ پروری کا زہر اس قدر سرایت کر چکا ہے کہ اگر اس کا تدارک نہ کیا گیا تو ہمارے درمیان نفرت، بغض، نفاق اور انتشار وافتراق کی ایک ایسی دیوار قائم ہو جائے گی کہ جس کو ختم کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ مذکورہ کتاب میں فرقہ پرستی کے خاتمہ کے لئے عوام اور حکومت کے سامنے ایک لائحہ عمل رکھا گیا ہے تاکہ اس پر عمل کر کے آپس میں تفرقہ بازی کو ختم کیا جا سکے۔ مذکورہ کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں افرادِ معاشرہ کی انفرادی واجتماعی ذمہ داریوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ فرقہ بندی کی مذمت بھی کی گئی ہے۔ تفرقہ بازوں کے ساتھ انقطاعِ تعلق کا حکم اور ملی شیرازہ بندی کی تعلیم قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔ عہدِ جاہلیت میں موجود تفرقہ پرستی کا ذکر بھی اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں کیا گیا ہے۔ پہلے حصے کا اختتام اس عنوان پر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات موضوعِ اختلاف کیوں ہے ؟ حالانکہ نبی کریم ﷺ کی ذات ایسی مقدس ہستی ہے کہ جنھوں نے نوعِ انسانی کو جاہلیت کی تاریکی سے اسلام کے نور کی طرف رہنمائی کی۔ افرادِ معاشرہ جو مختلف گروہوں اور گروپوں میں منقسم تھا، کو افتراق وانتشار اور فرقہ وبت پرستی سے نجات دلا کر ایک ہی دین پر قائم فرمایا، تو پھر اختلاف کے دائرے کو رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر کیوں لگایا جاتا ہے؟ دوسرے حصے میں سب سے زیادہ زور فرد اور معاشرے کی اصلاح پر دیا گیا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جس نے ایک بار کلمہ پڑھا ہے، وہ مسلمان ہے، اُسے بغیر کسی جواز کے کافر نہ کہا جائے۔ علماء کو جدید عصری تعلیم سے آراستہ کرتے ہوئے دینی تعلیم کے لئے مشترکہ اداروں کا قیام عمل میں لانے کی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ ہر فردِ معاشرہ کے لئے دینی اور دنیاوی تعلیم کا حصول ضروری قرار دیا گیا ہے۔

مصنف موصوف نے اپنی کتاب میں باہمی رواداری اور محبت والفت کے پیدا کرنے کے لئے تہذیب واخلاق کے لئے مؤثر روحانی تربیت کے نظام کی موجودگی کو بھی نہایت ضروری قرار دیا ہے۔ مصنف موصوف نے فرقہ پرستی کے خاتمے کے لئے چار نکاتی ایجنڈا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر حکومتِ وقت ان چار نکاتی اقدامات پر پوری توجہ اور دلجمعی سے عمل کرے تو فرقہ پرستی کے خاتمے میں خاطر خواہ فائدہ ہونے کا امکان ہو سکتا ہے۔ ید اللہ علی الجماعۃ اور اس قسم کی دوسری احادیث کا ذکر کرتے ہوئے مذکورہ کتاب میں ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں:

"امت کا اجماع ضلالت وگمراہی پر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس اجماع کا مطلب پوری امت کا کسی کام پر سو فیصد متفق ہونا نہیں، کیونکہ یہ تو قطعی طور پر ویسے بھی ناممکن ہے کہ پوری امت بلا اختلاف کسی غلط بات پر متفق ہو جائے۔ اختلافِ رائے کا نام منطقی اور قدرتی عمل ہے۔ متذکرہ بالا احادیثِ مبارکہ کا مقصد در حقیقت اس تصور کو ذہنوں میں جا گزیں

کرنا ہے کہ امتِ مسلمہ کی بھاری اکثریت شر و فساد اور ضلالت و گمراہی پر کبھی مجتمع نہیں ہو سکتی۔ یہی اس امت کی خصوصیت ہے۔۔۔۔امت کی جمعیت بہر حال بہتر ہوتی ہے اور اکثریت اقلیت کے مقابلے میں زیادہ محفوظ و مامون ہوتی ہے۔"[9]

107 صفحات پر مشتمل مذکورہ کتاب کو باقاعدہ ابواب میں تقسیم تو نہیں کیا گیا مگر اس کتاب کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے لیکن باقاعدہ حصوں کی شناخت نہیں کی گئی۔ ابتدائی حصہ میں سولہ (١٦) عنوانات ذکر کئے گئے ہیں۔ دوسرا حصہ جو اس کتاب کا اصل مقصد ہے، میں فرقہ پرستی کے خاتمے کے ممکنہ حل پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے چالیس (٤٠) عنوانات کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث کے علاوہ اور کسی قسم کا حوالہ مذکورہ کتاب میں نہیں دیا گیا۔ حوالہ متن میں ہی درج ہے۔ کتاب کے آخر میں ان آیات و احادیث کا الگ الگ ذکر درج کیا گیا ہے جو کسی بھی طور پر کتاب میں استعمال کی گئی ہیں۔ آیات کی ترتیب سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے ہے اور احادیث کی ترتیب حروف ابجد کے حساب سے ہے۔اس کے بعد اعلام کی بھی ایک مکمل فہرست دی گئی ہے۔

اتحاد امت اور نظم جماعت، میاں محمد جمیل،(٢٠٠١ء)

اسلام میں جماعت کی بڑی اہمیت ہے۔ ایک انسان دوسروں سے علیحدہ ہو کر جو کام سرانجام دے سکتا ہے، اُس سے کہیں بہتر ایک جماعت اس کام کو سرانجام دے سکتی ہے۔ کلمہ توحید ہی وحدت کی نشانی ہے۔ نماز، روزہ، حج اسی جماعت ہی کی ایک نشانی ہے۔امت کو متحد رکھنے کے لئے اجتماعیت کو فرض قرار دیا گیا ہے۔احادیث میں بھی اختلاف کو ممنوع اور جماعتی زندگی کو ممدوح قرار دیا گیا ہے۔ کتاب میں اس بات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے کہ تاریخ میں امارت کے عہدے پر کسی کو فائز کرنے کا طریقہ کیا رہا؟ اور اب موجودہ دور میں امیر یا حکمران بننے کے لائق کون ہے؟ اختلافات کی وجوہات، نقصانات اور اس کے حل کے لئے تجاویز پر بھی سیر حاصل بحث اس کتاب میں کی گئی ہے۔ اتفاق اور اتحاد کے لئے فاضل مؤلف لکھتے ہیں کہ:

"اسلام اختلاف رائے کا حق دیتا ہے مگر اختلافات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا، کیونکہ اس طرح مضبوط اور بڑی جماعت کی بھی ساکھ اکھڑ جاتی ہے۔ ساکھ اور وقار ہی تو وہ چیز ہے جس سے فرد اور جماعت کا وجود اقبال قائم رہتا ہے۔ اگر وقار مٹ جائے اور اقبال ضائع ہو جائے، تو ایسا وجود بے سود ہو جایا کرتا ہے۔ گویا کہ اب زندہ لاش ہے، جس کا کچھ فائدہ نہیں۔"[10]

ابواب سے مبرا اور عنوانات کی فہرست سے مزین اس کتاب میں حوالہ جات متن میں درج ہیں۔ جب کہ یہ کتاب ابوہریرہ اکیڈمی، لاہور نے شائع کی جس کے صفحات کی تعداد ١٥٣ ہے۔

آداب الاختلاف، مولانا محمود الحسن گنگوہی، (۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰۰۳ء):

عوام الناس کو اختلاف کے دوران سلف کے واقعات بتا کر اس حقیقت سے پردہ اٹھانے کی سعی کرتے ہوئے یہ کتاب تحریر کی گئی ہے کہ عوام الناس اختلاف رائے کو افتراق کا ذریعہ نہ سمجھیں۔

اس کتاب میں مؤلف نے صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور علماء سلف و خلف کے مابین در آنے والے فکری اختلاف کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان حدود کی بھی نشان دہی کی ہے جو اسلام کی تربیت کا ماحاصل ہیں۔ مؤلف نے رواداری اور اختلاف رائے کے متعلق قرآنی آیات اور چہل احادیث نقل کی ہیں۔ کتب تاریخ کے حوالہ جات سے مختلف طبقات علماء کے مابین نظری اختلاف کو بیان کیا ہے اور ان اختلافات کے باوجود ان کی باہمی محبت اور احترام کا تفصیل سے تذکرہ پیش کیا ہے۔

قرآن مجید کی متفرق آیات و متعدد احادیث میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ آپس میں متفق رہو اور باہم نااتفاقی نہ کرو۔ سلف میں مختلف علماء کرام کے رواداری کے ان گنت واقعات مذکور ہیں۔ متعدد احادیث ذکر کر کے ان کی تشریح میں رواداری و برداشت اور اختلاف میں آداب کا ذکر کیا گیا ہے۔ صحابہؓ و تابعینؒ و آئمہؒ کے درمیان بھی اختلاف ہوئے مگر ایک دوسرے کی رائے کو اختیار بھی کر لیتے تھے اور چھوڑ بھی دیتے تھے۔ ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت بھی کرتے تھے۔ اختلاف میں عزت و توقیر کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ہمارا بھی طرز عمل ایسا ہونا چاہیے کہ اگر کسی کی ایک بات ناپسند ہے تو اس کی ایسی باتیں اور ایسے اعمال کی طرف توجہ کرنی چاہیے جو بہتر اور موافق ہوں۔ دل سے اختلاف کو برا سمجھا جائے اور اس کو رفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مسلکی اختلافات کے خاتمے کے بارے میں مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ:

"البتہ میرا بھی دل چاہتا ہے اور تمنا و دعا ہے کہ مسلمان خصوصاً اپنے اکابر کے ایک نظریہ پر متفق ہو جائیں اگرچہ اس میں تنگی ضرور ہو جائے گی کہ اختلاف کی وسعت جاتی رہے گی، لیکن اور بہت سی مضرتوں سے خلاصی بھی ہو جائے گی۔ مگر اس کی صورت نہ یہ ہے کہ ہر فریق دوسرے کے اکابر کو سب و شتم کرے، نہ یہ ہے کہ ان کے غیر واقعی عیوب پھیلائے کہ اس میں نیکی برباد گناہ لازم بجائے نفع کے صرف نقصان ہے۔ بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ سمجھدار اور پکے لوگ جو حالات سے بھی واقف ہوں اور اہل علم بھی ہوں، متحمل مزاج بھی ہوں، صحیح حالات سنائیں اور سنیں۔ ان شاءاللہ کسی وقت میں اختلاف رفع ہو جائے گا۔"[11]

فہرست مضامین کتاب کی ابتداء میں ہے جو ابواب سے عاری ہے۔ فہرست مضامین کے فوراً بعد دو اور بھی فہارس ہیں، جن میں سے ایک قرآنی آیات اور دوسری احادیث پر مشتمل ہے۔ حوالہ جات بعض جگہ متن میں اور بعض جگہ ذیلی

صفحہ میں لکھے گئے ہیں۔ جامعہ عربیہ احسن العلوم، کراچی کی طرف سے شائع کردہ اس کتاب میں صفحات کی کل تعداد ۲۲۴ ہے۔

اختلاف رحمت ہے فرقہ بندی حرام ہے، مفتی محمد رفیع عثمانی، (۲۰۰۶ء):

مفتی اعظم پاکستان جناب مفتی محمد رفیع عثمانی نے جلسہ میں ایک اجتماع سے خطاب کیا، اس اجتماع میں مختلف تنظیموں اور مسالک سے تعلق رکھنے والے افراد کا ایک جم غفیر تھا۔ یہ خطاب اتحاد امت سے متعلق تھا جو بعد میں کتابچہ کی صورت میں شائع کیا گیا۔

مسلمانوں کے درمیان جتنے بھی اختلافات و مسائل ہوں، ان کا حل صرف اور صرف قرآن میں موجود ہے۔ اختلاف رائے حق ہے۔ صحابہ کرامؓ میں بھی اختلاف ہوا تھا اور ان کی وساطت سے یہ اختلاف امت میں بھی منتقل ہوگا۔ مگر یہ اختلاف حدود کے اندر ہو تو مذموم نہیں۔ احادیث سے یہ بات صریحاً ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے دور میں صحابہ کرامؓ بنو قریظہ کی طرف روانگی میں آپ ﷺ کے اقوال کا مطلب مختلف لیا تو حضور ﷺ نے کسی کو سرزنش نہیں فرمائی۔ اصل روایت حسب ذیل ہے" : عن عبد اللہ قال نادی فینا رسول اللہ ﷺ یوم انصرف عن الاحزاب ان لا یصلین احد الظھر الا فی بنی قریظہ فتخوف ناس فوت الوقت فصلوا دون بنی قریظہ و قال آخرون لا نصلی الا حیث امرنا رسول اللہ وان فاتنا الوقت قال فما عنف واحدا من الفریقین۔"[12]

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پکارا جس وقت کہ ہم غزوہ احزاب سے واپس لوٹے کہ بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے کوئی ظہر کی نماز نہ پڑھے، تو کچھ لوگوں نے وقت کو فوت ہونے کے ڈر سے بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نماز پڑھ لی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم نماز نہیں پڑھیں گے سوائے اس جگہ کہ جہاں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھنے کا حکم فرمایا، اگرچہ نماز کا وقت فوت ہو جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دونوں فریقوں میں سے کسی کی ملامت نہیں کی)۔

لہٰذا سنت سے یہ بات ثابت ہے کہ آراء میں اختلاف قابل قبول ہے۔ اب ایسے مختلف فیہ مسائل جس میں صحابہؓ یا فقہاء کے اقوال یا فتاویٰ مختلف ہو جائیں تو یہ امت کے لئے اس طرح رحمت ہے کہ کوئی بھی ایک فرد ماحول کی مطابقت سے کسی بھی ایک قول پر عمل کر سکتا ہے اور اسی وجہ سے مسائل کے اندر ایک خاص قسم کی لچک پیدا ہو گئی ہے۔ مذکورہ صحابہؓ و فقہاءؒ اس علمی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کی بڑھ چڑھ کر عزت و تکریم کرتے تھے۔ موصوف مصنف کہتے ہیں کہ اختلاف جائز ہے اور اختلاف کرنے والوں کی رائے کا احترام بھی لازم ہے لیکن افتراق کسی حال میں جائز

نہیں۔مسلکی اختلافات کی حقیقت بیان کرتے ہوئے مفتی اعظم فرماتے ہیں کہ

''ہم جو یہ کہتے ہیں کہ ہم حنفی ہیں اور فلاں شافعی، مالکی یا حنبلی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہوتا کہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہی یقینا، صحیح ہے اور امام شافعی کا قول یا کسی اور کا قول جو اس کے مقابلے میں ہے وہ یقیناً غلط ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا قول صحیح ہے اگرچہ احتمال اس کے غلط ہونے میں بھی ہے۔ دیگر ائمہ کے بارے میں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ ہمارا ظن غالب یہ کہ وہ خطا ہے، لیکن احتمال یہ بھی ہے کہ وہ صحیح ہو۔''[13]

چونکہ اس کتابچہ میں ایک خطاب کو منضبط کیا گیا تھا، اس لئے اس میں ابواب بندی سے اعراض کیا گیا ہے، تاہم عنوانات کی فہرست کتابچہ کے آغاز میں دی گئی ہے اس کتابچہ میں حوالہ جات کا اندراج غیر موجود ہے۔ مذکورہ کتاب ادارۃ المعارف، کراچی کی جانب سے شائع کی گئی ہے جو ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

مذہبی انتہا پسندی اور اس کا تدارک، تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں: ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس، (سنہ: ۲۰۰۶ء)

موجودہ دور میں معاشرے میں انتشار اور انتہا پسندی کو ختم کرنے کی تجاویز پر مبنی یہ کتاب ریاستی اور عوامی سطح پر قابل عمل حل کے لئے ضبط تحریر میں لائی گئی ہے۔ یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے جس کے باب اول میں مذہبی انتہا پسندی کے مفہوم واسباب پر بحث کی گئی ہے، باب دوم میں انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے نبوی تعلیمات کی وضاحت کی گئی ہے جبکہ باب سوم میں اتحاد کی تلقین اور انتشار کی ممانعت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مذکورہ کتاب میں قرآن وسنت سے اس بات کا ثبوت دیا گیا ہے کہ امت مسلمہ انتہا پسند نہیں ہو سکتی۔ جہالت، بے روزگاری، غربت اور غیر ملکی امداد کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے امت اندرونی خلفشار و انتشار کا شکار ہو گئی ہے۔امت کے درمیان اس انتشار اور انتہا پسندی کے خاتمے کا طریقہ کار احادیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اتفاق واتحاد سے زندگی بسر کرنے کے قرآن و نبوی طریقے بھی مذکور ہیں۔ علمی اور فکری مفید اختلاف کی افادیت بیان کرتے ہوئے مؤلف لکھتے ہیں:

''اگر آراء میں اختلاف پیدا ہو جائے تو یہ مذموم نہیں محمود ہے۔ بلکہ یہ کسی معاشرہ میں زندگی کی علامت ہوا کرتا ہے۔ فکری طور پر بانجھ معاشرے مردہ ہوتے ہیں۔ قرآن واحادیث میں بار بار تعقل و تفکر، تدبر و مشاہدہ کی تلقین کی گئی ہے۔اس کے نتیجے میں جو اختلاف رائے سامنے آتا ہے، وہ آسانی وسہولت پیدا کرتا ہے اور تحقیق میں آگے بڑھ کر طعن و تشنیع کرنا اور اپنی رائے کو ناقابل تغیر جان کر دین ہی سمجھ لینا انتہا پسندی کا رویہ ہے۔''[14]

اس کتاب میں حوالہ جات کو ذیلی صفحہ پر درج کئے گئے ہیں۔ مکتبہ جمال کرم لاہور سے یہ کتاب ۹۹ صفحات کی ضخامت میں شائع کی گئی ہے۔

حدیثِ افتراقِ امت تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں، مولانا اُسید الحق محمد عاصم قادری، (۲۰۰۸ء)

ذخیرہ احادیث میں ایک روایت امت محمدیہ ﷺ میں در پیش آنے والے افتراق اور فرقہ بندی کی پیشن گوئی پر مبنی ہے جس کو محدثین عام طور پر حدیث افتراق امت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

"قال النبی ﷺ ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین و سبعین ملة و تفترق امتی علی ثلاث و سبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة۔ قالوا و من هی یا رسول اللہ قال ما انا علیه و اصحابی" [15]

(حضور ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں پر تقسیم ہوئی تھی، لیکن میری امت تہتر (۷۳) فرقوں پر تقسیم ہوگی۔ ان میں ایک کے علاوہ باقی سب فرقے جہنمی ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ وہ کون ہوں گے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو میرے اور میرے صحابہؓ کے راستے پر چلیں گے۔)

فاضل مؤلف نے اس حدیث نبوی کا تحقیقی انداز میں جائزہ پیش کیا ہے۔ جیسے جیسے زمانۂ نبوت سے دوری ہوتی گئی، ویسے ہی نت نئے فتنے جنم لیتے گئے اور امتِ واحدہ مختلف قسم کے گروہوں، جماعتوں اور فرقوں میں تقسیم ہوتی چلی گئی۔ انتہائی معمولی سے فروعی مسائل میں امتِ مسلمہ کے افراد نے ایک دوسرے سے اختلاف کرنا شروع کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مساجد تک بھی الگ ہو گئیں۔ اسی انتشار و افتراق کا ذکر نبی کریم ﷺ نے اپنی اس حدیث میں کیا کہ امتِ مسلمہ ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور وہ فرقہ جنت میں جائے گا جو میرے اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستہ پر چلے گا۔

مؤلف نے اس کتاب کے آغاز میں مذکورہ بالا حدیث کا طرق بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث مشہور کے درجہ پر فائز ہے، مگر اس کے آخری جملے کلها فی النار پر علماء نے صحت و ضعف کے اعتبار سے کلام کیا ہے۔ مصنف لکھتے ہیں کہ بعض محققین نے اس حدیث کو موضوع قرار دینے کی کوشش کی۔ تاہم اکثر علماء اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ حدیث موضوع نہیں ہے تو ضعیف ضرور ہے۔ اس روایت میں ذکر کردہ ۷۲ یا ۷۳ کا عدد صرف کثرت کے لئے استعمال کیا گیا نہ کہ حقیقی معنوں میں۔ مصنف موصوف نے مستشرق گولڈ زیہر کی مذکورہ حدیث کی وضاحت پر بحث کرنے سے پہلے اس کے خیالات درج ذیل الفاظ میں نقل کئے:

"اسلام کی طرف کثیر فرقے اور جماعتیں منسوب ہیں، جن کی تعلیمات میں تنوع کے ساتھ ساتھ سخت تضاد ہے اور

ان میں آپس میں زبردست اختلاف ہے، اس اختلاف کو وسیع کرنے اور بڑھانے میں اصل غلطی مسلم علماء کلام کی ہے، اس طور پر کہ انہوں نے ایک حدیث کا مطلب غلط سمجھ لیا، جب کہ درحقیقت وہ حدیث تو اسلام کی فضیلت، عظمت اور شان میں اضافہ کر رہی ہے کیونکہ حدیث میں اسلام کو ۷۳ فضائل اور خوبیوں کے ساتھ خاص کیا گیا جب کہ یہود میں ۷۱ اور نصاریٰ میں ۷۲ فضائل کا ذکر ہے۔" [16]

فاضل مؤلف نے گولڈ زیہر کی رائے پر تنقیدی تبصرہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس روایت پر محققین علماء جیسے امام عبد اللہ ابن مبارک، امام بیہقی، امام اشعری، امام ابن تیمیہ، شیخ عبدالقادر محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیرہ آئمہ کے اقوال ذکر کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ۷۲ فرقے جو جہنم میں جانے والے ہیں وہ خلود فی النار نہیں ہوں گے، دخول فی النار ہوں گے۔ کیونکہ یہ فرقے اہلِ بدعت کے ہیں اہل کفر کے نہیں۔ ہاں جب تک کسی کی گمراہی کفر کی حد تک نہیں پہنچتی، اتنے تک کسی کے لئے بھی خلود فی النار کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ خلود فی النار اور دخول فی النار کی وضاحت کرتے ہوئے مؤلف لکھتے ہیں:

"امت کے ان ۷۳ فرقوں میں ۷۲ دوزخی ہوں گے۔ اس بات کو زبانِ رسالت نے کلھا فی النار سے تعبیر کیا ہے۔ کسی کے دوزخی ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) کسی کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں داخل کر دیا جائے، اس کو قرآن و سنت کی اصطلاح میں خلود فی النار کہتے ہیں۔ (۲) کسی کو دوزخ میں ڈالا جائے اور اس کے گناہوں کی سزا دے کر اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے، یا پھر دوزخ میں ڈال کر محض اللہ تعالیٰ کے فضل یا کسی کی شفاعت کے ذریعہ اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔ اس دوسری صورت کو دخول فی النار کہتے ہیں۔ خلود فی النار کفار و مشرکین کے لئے ہے اور دوسری صورت ان اہلِ ایمان کی ہے، جن سے شیطان کے بہکاوے میں آکر گناہ سرزد ہوئے، ایسے لوگوں کے لئے دائمی عذاب نہیں ہے بلکہ گناہوں کی مقدار (کے برابر) سزا دے کر یا محض فضلِ الٰہی سے یا پھر شفاعت کے ذریعہ ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے عذاب پر سبقت کرتی ہے اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا، بہر حال اس کی بخشش کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔" [17]

حوالہ جات کتاب کے آخر میں دیے گئے ہیں۔ اس کتاب کو تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں شریف کی طرف سے شائع کیا گیا ہے جو کہ ۸۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

فرقہ واریت اور انتہا پسندی کے رحجانات، تاریخ، اسباب اور ان کا حل: پروفیسر عبدالخالق سہریانی بلوچ، (۲۰۱۲ء)

امت مسلمہ کو متحد کرنے، اپنے اندر رواداری اور برداشت کا جذبہ پیدا کرنے اور مسلم معاشرے میں یہ خصوصیات فروغ دینے کی خاطر یہ کتاب ضبط تحریر میں لائی گئی ہے۔

ایک دور تھا کہ امت مسلمہ متحد و متفق تھی۔ قیصر و کسریٰ کے ساتھ ساتھ اہل دنیا کے بادشاہان ملت اسلامیہ کی طرف میلی نظر سے دیکھنے کی بجائے سوچنا بھی گوارانہ کر سکتے تھے۔ دنیا کے جس کونے اور گوشے میں ملت اسلامیہ کے افراد جاتے، اُن کے اوپر مملکت اسلامیہ کے جھنڈے کا سایہ رہتا اور وہ ہر جگہ امن و سکون سے زندگی گزارتے تھے۔ مگر آج اس کے برعکس اہل کفر مسلمانوں پر حاوی ہیں۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ مسلمان متحد و متفق کی بجائے متفرق و منتشر ہو گئے ہیں، ان میں اتحاد اور رواداری جیسی صفات عنقا ہو گئیں ہیں۔ وہ اپنی قوت و طاقت اور رعب و دبدبہ اور جلال کھو چکے ہیں۔ ایک ہی امت اور ایک ہی دین ہونے کی وجہ سے تمام امت کو ایک بار پھر اپنے اندر رواداری اور اتحاد جیسی خوبیوں کو اجاگر کرنے کی آج ضرورت ہے۔ تمام اہل اسلام کا دین ایک ہے اور ایک ہی طریقے سے ایک ہی رب کے سامنے سر بسجود ہوتے ہیں۔ صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ اربعہؒ کے اختلافات سے ہمارے لئے مشکل کی بجائے آسانی ہوئی ہے کہ ہمیں مختلف اعمال کرنے کے لئے مختلف راستے مل گئے ہیں۔ اس آسانی پر ہمیں آپس میں لڑنے کی بجائے اکٹھا و متحد ہونا چاہیے۔ علمی اختلاف کو فرقہ واریت میں لانے سے نقصان صرف اپنی ہی قوم کا ہو گا۔ جس حدیث میں امت مسلمہ کا ۷۲ فرقوں میں منقسم ہونے کا ذکر ہے، وہ کثرت کی وجہ سے ہے نہ کہ ہر دور میں یا شروع سے لے کر آخر تک ۷۲ فرقے بنیں گے۔ ایک کے علاوہ باقی سارے جہنم میں تو جائیں گے مگر اپنے گناہوں کے برابر سزا کے بعد ان کو جہنم سے چھٹکارا مل جائے گا اور جنت ہی ان کا ٹھکانہ ہو گی۔ مذکورہ کتاب میں رواداری اور اتحاد کے اختیار کرنے اور فرقہ واریت سے بچنے کے لئے اہم تجاویز بھی زیر بحث لائی گئی ہیں۔ فرقہ بندی کی مذمت اور رواداری کے حق میں مختلف مسالک کے علماء و مفتیان صاحبان نے اپنی جو جو آراء پیش کی ہیں کتاب کے اختتام پر ان کا ذکر بھی مذکور ہے۔ صحت مند اختلاف کی معاشرتی اہمیت اور ضرورت کی بابت مصنف لکھتے ہیں:

''اختلاف رائے، علم، عقل و دیانت سے پیدا ہوتا ہے، اس لئے اس اختلاف کو مذموم نہیں کہا جاسکتا۔ اگر حالات و معاملات کا صحیح جائزہ لیا جائے اور اختلاف رائے کو اپنی حدود کے اندر رکھا جائے تو وہ کبھی کسی قوم و جماعت کے لئے مضر ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ بہت سے مفید نتائج پیدا کرتا ہے۔ اسلام میں مشاورت کی تاکید فرمائی گئی ہے اور خود حضور ﷺ کو مشورہ کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ تو اس کا یہ ہی منشا ہے کہ اس معاملہ زیر بحث کے متعلق مختلف پہلو اور مختلف آراء سامنے آجائیں۔ تاکہ فیصلہ بصیرت کے ساتھ ہو سکے۔ اگر اختلاف رائے کو مذموم سمجھا جائے تو مشاورت کا فائدہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔[18]

مذکورہ کتاب میں ابواب بندی نہیں کی گئی بلکہ ۴۰ عنوانات پر قلم اٹھا کر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔حوالہ جات متن میں ہی درج کئے گئے ہیں۔ایوان علم وادب،لاہور کی طرف سے اس کتاب کو شائع کیا گیا ہے جس کے صفحات کی تعداد ۱۸۰ ہے۔

اسلام میں اختلاف کے اصول وآداب،ڈاکٹر طہ جابر فیاض،(سن نامعلوم):

علمی اختلاف رائے کا موجود ہونا معاشرے کے لئے ضروری ہے مگر اس سلسلے میں اصول وآداب کو ملحوظ خاطر رکھنا نہایت ضروری ہے۔تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ علمی اختلاف کی وجہ سے آپس میں نااتفاقی اور فرقہ واریت پھیل جائے۔ مذکورہ کتاب میں اختلاف کے اصول وآداب بیان کئے گئے ہیں تاکہ آپس میں مخاصمت میں اضافہ نہ ہو۔علمی اختلاف رائے کا مطلب ہر گزیہ نہیں ہوتا کہ اختلاف رائے سے انتشار وافتراق جنم لے اور قومیں باہم شر وفساد کا ذریعہ بن جائیں۔اختلاف ایک فطری چیز ہے اس میں انتہا پسندی نہیں ہونی چاہیے۔ایک دوسرے کی باہم عزت وتکریم تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔

مذکورہ کتاب آٹھ فصول پر مشتمل ہے۔دس صفحات پر مشتمل تقدیم عمر عبید حسنہ نے لکھی ہے جب کہ آغاز میں ایک پر مغز مقدمہ موجود ہے۔کتاب کی ابتداء میں اختلاف کے معنی اور مفہوم بتایا گیا ہے۔قرآن مجید کی مختلف آیات کی رو سے اختلاف وافتراق کا فرق بتا کر اختلاف کی اقسام کو موضوع قلم بنایا گیا ہے۔عہد رسالت میں صحابہ کرامؓ کے درمیان یا عہد صحابہ میں صحابہ کرامؓ کے درمیان جو اختلافات ہوئے،اُن کا ذکر کر کے ان کے درمیان تعلق کی وضاحت کی گئی ہے کہ وہ اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کی عزت وعظمت کا خیال رکھتے تھے۔صحابہ کرامؓ کے اختلاف کی وجہ سے تابعین عظامؒ اور ائمہ کرامؒ میں بھی اختلافات کا سلسلہ باقی رہا اور یوں جب فقہ مدون ہوئی تو اس میں بھی اختلافی مسائل کی موجودگی ناگزیر تھی۔ائمہ اربعہ کے مسالک کا ذکر کرنے کے بعد اس بات کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے کہ ائمہ کرام ایک دوسرے کی عزت وتوقیر میں ذرا بھی کمی گوارا نہیں کرتے تھے اور نہ ہی آپس میں ایک دوسرے کو غلط قرار دیتے تھے۔

اسلامی اخوت واتحاد کی حفاظت اور اس کو ضعف ونقصان پہنچانے والی چیزوں کو راستے سے ہٹانا مسلمانوں کا سب سے عظیم واہم فریضہ اور سب سے اہم عبادت واطاعت خداوندی ہے،کیونکہ اسی اخوت کے ذریعہ ہم ان ساری مشکلات پر قابو پا سکتے ہیں جو اسلامی نشاۃ ثانیہ کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہیں۔رسول اکرم ﷺ نے تفرقہ اندازی کو سخت ناپسند فرماتے ہوئے اس سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے اور جماعت مسلمین کے درمیان نفاق وافتراق پیدا کرنے والے کا خون مباح فرمادیا ہے۔[19]

جیسا کہ صحیح مسلم میں امام مسلم نے بیان کیا کہ :

من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ [20]

(تم اپنے معاملات میں کسی ایک آدمی پر متفق ہو پھر تمہارے پاس کوئی آئے اور تمہارے اتحاد کی لاٹھی کو توڑنے یا تمہاری جماعت میں تفریق ڈالنا چاہے تو اسے قتل کر دو)

اس کتاب میں حوالہ جات کو ذیلی صفحہ پر درج کئے گئے ہیں۔ ۲۳۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو الفرقان ٹرسٹ، خان گڑھ، ضلع مظفر گڑھ سے شائع کیا گیا۔

(وحدت امت، مولانا محمد اسحاق، (سن نامعلوم):

یہ رسالہ فقہی اختلافات کی بنا پر مخالفتوں اور دشمنیوں کو ختم کرنے کے لئے ایک سعی کے طور پر لکھا گیا ہے۔ مختلف اسلامی فرقوں کی تکفیر کرنا اور فقہی اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز ادا نہ کرنا جائز اور روا نہیں ہے اور نہ ہی کسی بھی فرقے کو جو مسلم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، کافر کہنا جائز ہے۔ اختلافات، صحابہؓ کے دور میں بھی تھے مگر انہوں نے نہ صرف اتحاد کو باقی رکھا بلکہ ایک دوسرے کو کافر کہنا تو دور کی بات آپس میں برادرانہ تعلقات بھی رکھے۔ مگر ہمارا حال ان نفوس قدسیہ سے یکسر مختلف ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہلاکو خان نے جب اسلامی ملک میں اختلافات دیکھے تو حملہ آور ہوا اور اس کی تلوار نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ کس فرقے کے پرستار کی گردن پر چل رہی ہے۔ اس کی تلوار نے حنفی شافعی کا فرق نہیں دیکھا اور اختلافات سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کا خوب نقصان کیا۔ اگر آج بھی ہمارا یہی حال رہا کہ ہم آپس میں متحد و متفق نہ ہوئے تو کل کوئی بھی اور ہمارے اوپر حملہ کر کے ہمارا نام و نشان ختم کر سکتا ہے۔ ہمارے بعض اہل علم امت کو ان باتوں میں الجھا رہے ہیں، جن سے اسلام کو کوئی نفع تو پہنچنے کی امید نہیں، مگر نقصان کے اندیشے بہت زیادہ ہیں۔ ہماری حکومتوں پر کفار کے غلبے ہو گئے اور ہم اتحاد و اتفاق چھوڑ کر افتراق و انتشار کا شکار ہی رہے۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ہر وہ عمل درست ہے جو صحابہؓ کی طرف منسوب ہے۔ کوئی بھی صحابی نہ غلط تھا اور نہ ہی غلطی پر ہے۔ دین اسلام میں بڑی وسعت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم فروعی مسائل کو بھلا کر ایک دوسرے کے مسالک کا احترام کریں۔ سب کا ایک ہی فرقہ ہے اور یہ فرقہ دینِ اسلام ہے۔ آج کے دور میں سب سے زیادہ ضرورت وحدت امت کی ہے۔ مسلکی اختلافات کے پیدا ہونے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فاضل مؤلف لکھتے ہیں کہ :

"قانون ساز صرف حکم دیتا ہے، قانون کی وجہ یا ضرورت کی وضاحت نہیں کرتا، بلکہ اس کے بارے میں ہم غور و فکر کرتے ہیں۔ ہماری سوچ غلط بھی ہو سکتی ہے اور دوسرے کو اس سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ مگر اس اختلاف کی بنا پر کوئی کافر نہیں ہو جاتا۔ حکم یہ ہے کہ جو شخص قرآن و حدیث کے مطابق نماز پڑھا رہا ہے، اس کی اقتداء میں نماز ادا کرو

اور اپنا اتحاد برقرار رکھو۔ ممکن ہے پڑھانے والے کی نماز قبول نہ ہو اور تمہاری ہو جائے یا پڑھانے والے کی تو قبول ہو جائے اور تمہاری نہ ہو۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان باتوں سے اجتناب کریں جو امت میں انتشار پھیلانے کا باعث بنتی ہیں۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ لوگوں کو جوڑا جائے، توڑا نہ جائے۔"[21]

فہرست عناوین و ابواب کی تفصیلات عنقا ہیں۔ حوالہ جات متن میں ہی درج کئے گئے ہیں۔ مکتبہ ملّیہ، فیصل آباد کی طرف سے شائع کردہ اس کتاب میں صفحات کی کل تعداد ۹۵ ہے۔

فرقہ واریت کیا ہے؟ کیوں ہے؟ اور اس کا سد باب کیا ہے، مولانا منیر احمد منور، (سن نامعلوم):

دین اسلام اور مسلم امہ کو کمزور اور ناتواں کرنے کے لئے بعض افراد کا سب سے بڑا حربہ علماء دین کو بدنام کرنا اور عوام الناس میں ان کے لئے نفرت پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لئے ایسے لوگوں کا سب سے مؤثر ہتھیار فرقہ واریت کا پروپیگنڈا ہے، جس کی وجہ سے مسلمان ایک دوسرے کے خلاف ہو کر باہم گروہ بندیاں بنا لیتے ہیں اور ان کی طاقت و قوت میں ناتوانی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں بہت مناسب تھا کہ فرقہ واریت کی حقیقت، اسباب اور اس کے سد باب کے لئے کچھ گزارشات عوام الناس کے گوش گزار کی جائیں تاکہ عوام نادانی اور دھوکے میں آکر تفرقہ پرستی کی بجائے اتحاد و اتفاق کو ترجیح دے۔ موصوف مصنف نے اسی نازک موضوع پر قلم اٹھا کر ایک نہایت مربوط کوشش کی ہے کہ عوام الناس میں اتحاد و اتفاق جیسی خوبیوں کو فروغ دیا جا سکے۔ ٹھوس اور دلنشین انداز اختیار کرنے کی وجہ سے تالیف ہذا کی اہمیت اور وزن میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ درج مواد اساسی ہونے کے علاوہ بیش بہا معلومات کا حامل بھی ہے۔

مصنف موصوف نے کتاب کا آغاز دین اسلام کے احکامات اور قرآن و حدیث کی تدوین سے کیا اور اس بات کا ثبوت دیا کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو تقریر و تحریر، قلم و زبان، تعلیم و تعلم اور علم و عمل کے ذریعے سے محفوظ کر کے نسل در نسل تک پہنچانے کا بندوبست خود کر دیا ہے۔ جس طرح قرآن و حدیث کو محفوظ کر کے قیامت تک آنے والے افراد تک پہنچانا اللہ نے اپنے ذمے لے لیا اسی طرح علم فقہ، علم الکلام اور ماہرین شریعت یعنی مجتہدین اسلام کی تشریح و توضیح بھی قیامت تک زندہ رہے گی اور اسی پر عمل کرنا ہی صراط مستقیم ہے۔ اس سے انحراف کر کے اپنی من مانی تشریح پر اپنے دین کو نئی بنیادوں پر استوار کرنا ہی فرقہ واریت کہلاتا ہے۔ اسلامی مدارس اور مساجد فرقہ واریت پھیلانے کے مراکز نہیں ہیں، جن مدارس میں تعلیم و تربیت اُن اصولوں کے مطابق دی جاتی ہو، جو عہد نبوی ﷺ، عہد صحابہؓ اور عہد تابعینؒ کے دور میں دی جاتی تھی، وہاں کیسے فرقہ واریت کی تربیت دی جا سکتی ہے۔ اس کے برعکس وہ مدارس، مساجد، سکول، کالج، یونیورسٹی اور سرکاری و نیم سرکاری ادارے ہیں جہاں مذکورہ بالا ادوار میں دی گئی تعلیم و

تربیت کو پس پشت ڈال کر اپنے وقتی فائدے کے لئے دوسروں کے نقصان کے بارے میں سوچا جاتا ہے، فرقہ واریت کو پھیلانے کا سبب بنتے ہیں۔ برصغیر میں فرقہ واریت کی ہوا تحریک آزادی سے چلی۔ انگریز حکومت نے کچھ ایسے افراد تلاش کئے کہ جن کا مقصد صرف اور صرف برصغیر میں مذہبی فرقہ واریت پھیلانا تھا۔ مسلم علماء نے اس تحریک کا سر کچلنے کی بڑی کوشش کی مگر چونکہ اس تحریک کو قانونی تحفظ حاصل تھا، اس لئے اس کا سدباب کرنا ان کے لئے مشکل ہو گیا۔

فرقہ واریت ایک ایسی بیماری ہے کہ اس کا سدباب کرنا نہایت ضروری ہے۔ حکومت وقت کے لئے یہ ضروری ہے کہ قرآن و سنت کی جدید تحقیقات و تشریحات کو بند کروا کر ابتدائی متواتر و متوارث تحقیق و تشریح کا پابند کر دے۔ جب قرآن و سنت کی قدیم تشریح کو پوری امت اپنا نصب العین بنائے گی تو وہ بھی یک جہتی کے رنگ میں رنگ جائے گی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کے عمل کے موافق حکومت وقت نئے مذہب ایجاد کرنے والوں کو بزور طاقت روک سکتی ہے۔ قرآن و حدیث اور اقوال سلف کی روشنی میں فرقہ واریت کا حل مختلف قرآنی آیات و احادیث اور اقوال سلف کے حوالے سے بھی مذکورہ کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں دین سے متعلق کچھ سوالات کے جوابات بھی تحریری شکل میں درج ہیں۔ مشرکین اور یہود و نصاریٰ چاہے نبی کے دور کے ہوں یا موجودہ دور کے، اسلام کو نقصان پہنچانے کے ہمیشہ درپے ہیں۔ فرقہ واریت بھی مسلم امہ کو کمزور کرنے کے لئے ایک حربہ ہے جو ان ہی دشمن عناصر کی طرف سے مسلمانوں پر استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا ذکر مصنف موصوف درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

''دین دشمن عناصر کی مدت سے کوشش ہے کہ علماء اسلام اور دین کے قلعے یعنی اسلامی مدارس کو مذہبی فرقہ واریت اور دہشت گردی کے حوالے سے اتنا بدنام کر دیا جائے کہ عوام الناس مدارس اسلامیہ اور علماء اسلام سے اتنے بدظن ہو جائیں اور مدارس اور اہل مدارس سے اتنے دور ہو جائیں کہ وہ تعاون بھی چھوڑ دیں اور علمائے دین سے دور ہو کر خود بھی بے دین ہو جائیں اور لوگ فرقہ واریت اور بدنامی کے خوف سے اپنے بچوں کو تعلیم دلانا ہی چھوڑ دیں۔ درحقیقت فرقہ واریت کا یہ پروپیگنڈہ اس تسلسل کا حصہ ہے جو مشرکین مکہ نے سرور کائنات ﷺ کے خلاف فرقہ واریت کا اور قریش کو آپس میں لڑانے کا پروپیگنڈہ کیا تھا۔ لیکن نہ وہ اوائل زمانے کے دشمنان دین اپنے مکروہ عزائم میں کامیاب ہوئے نہ اخیر زمانہ کے یہ دشمن کامیاب ہوں گے۔''[22]

ابواب، فہرست، فصول، حواشی اور مصادر و مراجع جیسی صفات سے عاری اس کتاب میں ۲۷ صفحات پر بارہ عنوانات مذکور ہیں۔ بعض مقامات پر قرآن و حدیث کے حوالہ جات متن میں ہی درج کئے گئے ہیں۔

(مذہبی رواداری، صفدر حسین صدیقی، (سن نامعلوم):

رواداری جیسے اہم موضوع پر جامع اور عالمانہ بحث کے آغاز سے پہلے مصنف نے مذہبی رواداری کی تعریف مختلف حوالہ جات سے کی ہے، اس کے بعد دین اور مذہب کے متصادم نظریات کا ذکر کرتے ہوئے شریعت کا مفہوم اور اس کی بنیادی اصطلاحات بتائی ہیں۔ مذہبی رواداری کے فوائد اور عدم رواداری کے نقصانات کا بھی مصنف نے ذکر کیا ہے۔ آسمانی کتب کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ہندوؤں اور سکھوں کی مذہبی کتب کے حوالے بھی اس کتاب کا حصہ ہیں۔ زبان عام فہم اور سادہ استعمال کی گئی ہے جس سے قاری کو پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ پاکستانی معاشرے میں حالات کی ابتری کو دیکھتے ہوئے میں نے مذہب کا تفصیلی اور گہرا تجزیہ کیا اور یہ نتیجہ نکالا کہ اس ملک کے باشندوں کے اندر ایسی خوبیاں پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ ملنسار، امن پسند اور باہم تعاون کرنے والے بن جائیں۔ معاشرے کی ترقی اور جمہوریت کے فروغ میں سب سے بڑی رکاوٹ مذہبی تعصب ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو کسی بھی ملک کی خوشحالی کی جڑوں کو دیمک کی طرح کھا جاتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم نے مذہبی تعصب کی بجائے مذہبی رواداری کا نقطۂ نظر اپنانا ہے۔ مصنف کے کتاب لکھنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ معاشرے کے تمام افراد ہر قسم کے تعصبات سے آزاد ہو کر زندگی کے چیلنجوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اس کتاب کا مقصد انسانوں کو اس بات کا احساس دلانا ہے کہ وہ سارے ایک ہی آدم کی اولاد ہیں اور ایک ہی رب کی مخلوق ہیں، انسانوں میں کوئی تفاوت نہیں۔ مختصر یہ کہ کتاب عوام الناس کے لئے سود مند ثابت ہو سکتی ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے۔ مساوات انسانی کا ذکر کرتے ہوئے مصنف موصوف رقم طراز ہیں:

''تمام انسان بلا تفریق جنس، مذہب، فرقہ، ذات برادری، رنگ، نسل، زبان اور جسمانی واخلاقی صلاحیت سے مساوی حقوق کے حامل ہیں۔ اس لئے ہمیں تمام لوگوں پر انسان کی حیثیت سے نظر ڈالنا ہے نہ کہ کسی ایک یا دوسرے مذہبی گروہ سے متعلق افراد کی حیثیت سے۔۔۔۔۔اسلام مذہبی روایات پر مبنی عبادات و رسوم کا مجموعہ نہیں اور نہ ہی یہ موروثی طور پر حاصل ہونے والی پہچان کا نام ہے بلکہ یہ کائنات کے خالق اور پروردگار کی طرف سے انسان کو دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے دی گئی ہدایات ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے ایک مخصوص طرزِ زندگی تشکیل پاتی ہے جس سے انسانی معاشرہ میں انسانی مساوات، معاشی ترقی، امن، محبت اور بلا تفریق نسل، رنگ، قوم و مذہب ایک دوسرے کی بھلائی کے لئے سرگرم ہونے کی راہیں کھلتی ہیں اور دنیا استحصالی عمل سے باز آکر امن و جمہوریت کی طرف بڑھتی ہے۔ اس سے ہر قسم کے منفی تعصبات کے خاتمے کا عمل شروع ہوتا ہے اور انسانی تعلقات میں رواداری اور برداشت کا مادہ پرورش پانے لگتا ہے۔''[23]

پاکستانی معاشرے میں تعصب اور افتراق کی فضا کو ختم کرنے اور برداشت ورواداری کو شیوہ بنانے کے لئے افادہ عام کے لئے مختلف قرآن وسنت سے مزین امثال کی روشنی میں مذکورہ کتاب کو تحریر کیا گیا ہے۔۱۶۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے مقدمے کے اختتام میں مصنف نے یہ لکھا ہے کہ ''اس کتاب کو اٹھارہ ابواب پر منقسم کیا گیا ہے'' حالانکہ نہ ہی فہرست میں اور نہ ہی کتاب کے اندر، ابواب کی، کسی بھی قسم کی کوئی تقسیم نہیں کی گئی ہے جبکہ فہرستِ عناوین میں بائیس عنوانات کا ذکر کیا گیا ہے۔ڈینس رگلے (Dennis Wrigley) کی کتاب ایک مالک ایک امت (One Lord One People) کے اقتباسات زیادہ نقل کئے گئے ہیں اس کے علاوہ اور مغربی مصنفین مثلاً ہیرا کلئیس (Hericlitus)، دیمو کراطیس (Democratus) سقراط (Socrates) اور افلاطون (Plato) وغیرہ کی تصنیفات کے اقتباسات بھی بکثرت ہیں، مشرقی مصنفین کی کسی بھی کتاب کا کوئی بھی اقتباس یا حوالہ مذکورہ کتاب میں نہیں دیا گیا۔ مصنف نے اپنی اس کتاب میں جتنے بھی مغربی مصنفین کے اقتباسات نقل کیے ہیں کسی کا بھی باقاعدہ حوالہ نہیں دیا ہے نہ ہی متن میں اور نہ ہی کتاب کے آخر میں۔ مصنف موصوف نے اپنی پوری کتاب میں کہیں پر کوئی حدیث بھی نقل نہیں کی ہے اور نہ ہی قرآن کی کسی آیت کا حوالہ دیا ہے۔ سوائے اس کے کہ جس عبارت کا عنوان ''قرآنی تعلیمات'' ہے اس میں صرف قرآنی آیات کے ذکر پر ہی اکتفا کیا ہے۔ تورات اور اناجیل اربعہ کے حوالہ جات متن میں مذکور ہیں جب کہ زبور کے اقتباسات بغیر حوالہ کے ہیں۔ہندوؤں اور سکھوں کی مقدس کتابوں سے لئے گئے اقتباسات بھی بغیر حوالہ جات کے ہیں۔

خلاصہ بحث(Conclusion):

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو میانہ روی اور اعتدال کی صفت سے نوازا ہے۔ فکر اور عمل کا اختلاف انسانی فطرت کا خاصہ ہے تاہم اس کو اپنی حدود سے اگر تجاوز نہ کرنے دیا جائے تو اس سے انسان کے لئے سہولت اور معاشرے کے لئے آسانی پیدا ہوتی ہے۔ اگر اس کا استعمال منفی ہو تو معاشرے میں عدم رواداری اور منافرت فروغ پاتی ہے۔اہل علم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں اور پاکستان کے علماء کرام نے اس بابت کافی تصنیفات و مؤلفات پیش کی ہیں۔ اگرچہ معاشرے پر ان کا اثر محدود ہے لیکن آنے والے وقت میں یہ مثبت اثر معاشرے میں تبدیلی پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے اور ہمارا معاشرہ اسلامی رواداری پر مبنی ایک ترقی پسند معاشرہ بن کر ابھر سکتا ہے۔

مصادر و مراجع

[1] Encylopedia of Britanica، 1974 ، V.10، p.400

[2] قرآن،۱۱۸:۱۱

[3] بخاری،ابوعبداللہ، صحیح بخاری، جھگڑوں کا بیان،ج۱،حدیث ۲۳۰۷

[4] القرآن،۲:۲۵۶

[5] ابن خلدون،۲:۵۶۸

[6] صدیقی، حکیم انیس احمد، مولانا، مسلک اعتدال، صدیقی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔اکتوبر ۱۹۸۰ (طبع سوم)،ص ۱۲۵

[7] شفیع، مفتی محمد، مولانا، وحدت امت، دارالاشاعت کراچی، فروری ۱۹۷۸ ء،ص ۳۴

[8] ثانی، حافظ محمد، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ اور رواداری، فضلی سنز، کراچی، مارچ ۱۹۹۸ ء،ص ۳۲۸

[9] القادری، محمد طاہر، ڈاکٹر، فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے ؟، منہاج القرآن پرنٹرز، فروری ۲۰۰۱، ص ۸۱، ۸۲

[10] جمیل، میاں محمد، اتحاد امت اور نظم جماعت، ابوہریرہ اکیڈمی، لاہور، ستمبر ۲۰۰۱، ص ۱۳۸

[11] گنگوہی، محمود الحسن، مولانا، آداب الاختلاف، جامعہ عربیہ احسن العلوم کراچی، ۱۴۲۴ھ، ص ۱۶۲

[12] قشیری، مسلم بن حجاج، امام، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، حدیث نمبر ۱۰۵

[13] عثمانی، محمد رفیع، مفتی، اختلاف رحمت ہے فرقہ بندی حرام ہے، ادارۃ المعارف کراچی، جنوری ۲۰۰۶ ء،ص ۲۴

[14] شمس، ہمایوں عباس، محمد، ڈاکٹر، مذہبی انتہا پسندی اور اس کا تدارک، تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں، مکتبہ جمال کرم، لاہور، ۲۰۰۶ ء،ص ۹۱

[15] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، جامع ترمذی، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۵۵۰

[16] قادری، محمد عاصم، اُسید الحق، مولانا، حدیثِ افتراقِ امت تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف، نومبر ۲۰۰۸، ص ۳۴

[17] حوالہ بالا، ص ۴۵

[18] سہریانی، عبدالخالق، پروفیسر، فرقہ واریت اور انتہا پسندی کے رجحانات، تاریخ، اسباب اور ان کا حل، ایوان علم و ادب پاکستان، لاہور، ۲۰۱۲ ء،ص ۶۸

[19] العلوانی، طہ جابر فیاض، ڈاکٹر، اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب، مکتبۃ الکتاب، لاہور، سن نامعلوم، ص

[20] قشیری، مسلم بن حجاج، امام، صحیح مسلم، امارت اور خلافت کا بیان، حدیث نمبر ۳۰۱

[21] اسحاق، محمد، مولانا، وحدت امت، مکتبہ ملیہ فیصل آباد، سن نامعلوم، ص ۳۰

[22] منور، منیر احمد، مولانا، فرقہ واریت کیا ہے ؟ کیوں ہے ؟ اور اس کا سد باب کیا ہے، اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان، بہاولپور، س ن، ص ۲۷

[23] صدیقی، صفدر حسین، مذہبی رواداری، نیو گارڈن ٹاؤن، مشعل پبلشرز، لاہور، سن نامعلوم، ص ۳۲